Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قرۃ العین حیدر کے ناول " آگ کا دریا" پر علاقائی ثقافت کے اثرات
(ایک مطالعہ)

محمد طارق انصاری[1]

ڈاکٹر ریاض حسین بلوچ[2]

Abstract:

The influence of regional culture is significant in "Qarat-ul-Ain Haider's novel "Aag ka daryaa" . Qarat-ul-Ain Haider is a trustworthy and an epoc making figure in respect to Urdu novels. She had a keen eye on the changes that took place in the regional cultures with the arrival of different nations in the subcontinent. Qarat-ul-Ain was a lover of the multi-colored, multidimensional civilization that was born in the subcontinent due to the fusions of different cultures. Her novels beautifully depict all the regional cultures and languages of North India. In a way, her novels are also a lament for the obliterating civilization of subcontinent.Novel being the greatest genre of Urdu language has a greater capacity of linguistic content and cultural commentary than other genres of Urdu language. There we can maintain that Pakistani urdu Novel has the impact of regional culture.

Keywords:Pakistani Urdu Novel, culture, "Aag ka daryaa", fiction

کلیدی الفاظ: پاکستانی اردو ناول، ثقافت، آگ کا دریا، ادب

قرۃ العین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" اردو ناول کی تاریخ میں ایک منفرد، اہم اور مقبول ناول ہے۔ مصنفہ نے اسے ۱۹۵۶ء میں لکھنا شروع کیا اور ۱۹۵۷ء میں مکمل ہوا۔ اور دسمبر ۱۹۵۹ء میں مکتبہ جدید سے شائع ہوا۔ قرۃ العین حیدر اس وقت پاکستان میں رہتی تھیں۔ اس لیے اس ناول کو ہم پاکستانی ناول کہہ سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہونے والا یہ ناول مخالفت، بحث اور الزامات کی زد میں بھی رہا ہے۔

بقول قرۃ العین حیدر:۔

> "اس ناول کے متعلق افسانہ طرازی اور افواہوں کا سلسلہ اس قدر مستحکم ہو چکا ہے کہ اس کی تردید اب میرے بس کی بات ہی نہیں رہی"۔(1)

قرۃ العین حیدر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھیں ہندوستان سے جڑت پر فخر ہے۔ یہ خاتون اس جدید سوچ کے حامل خاندان کی نمائندہ ہیں جو پہلے سے کلچرڈ ہے۔ انگریز کی آمد سے ان کی صلاحیتوں اور علم و فن میں مزید چمک اور نکھار پیدا ہو گیا۔ یہ واحد تہذیب کے نمائندہ نہیں ہیں بلکہ تینوں تہذیبوں کے نمائندہ لوگ ہیں۔ یہ ناول تخیل سے زیادہ مشاہدے اور مطالعے پر مبنی فن پارہ ہے۔

۱۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور۔

۲۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور۔

Vol.4No.2 2021

JAHAN E TAHQEEQ جہانِ تحقیق

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

جو کہ قومی، لسانی اور مذہبی تنوع کے باوجود جغرافیائی اکائی کو پیش کرتا ہے۔ تہذیب و ثقافت کے حوالے سے کثرت میں وحدت کو پیش کرنے والا مشترکہ ثقافت اور تہذیبی اقدار کا بہترین عکاس ہے۔ جس میں تنگ نظری، تعصب اور تفریق کی بجائے وسیع النظری، رواداری اور ہم آہنگی کو پیش کیا گیا ہے۔ قرۃ العین حیدر کا تعلق اس طبقے سے تھا جس نے برصغیر میں برطانوی تسلط اور نو آبادیات کی تہذیبی بالادستی کو نہ صرف قریب سے دیکھا بلکہ تسلیم کیا اور جدید ثقافت کے ثمرات سے بھی مستفیض ہوا۔ (انگریزی) نظام تعلیم، نغمہ و ساز، عدالت، علم و ادب، نشست و برخاست، آکسفورڈ، کلکتہ، علی گڑھ، بمبئی تا لاہور، پشاور Gentry کو گرویدہ کر چکا تھا۔ کلب، سوڈا، وہسکی، وکٹورین طرزِ زندگی دیسی زندگی میں شامل ہو چکے تھے۔

قرۃ العین حیدر وہ دیسی روح ہیں جس میں مشرق و مغرب کا بھرپور ادراک ہے۔ بلکہ گنگا جمنی تہذیب اور ثقافت کے سارے رنگوں، سچائیوں، راگوں کی مدھر دھنوں اور بولیوں کی بھی دلدادہ ہیں۔ مقامیت ان کی تحریر میں ایسے اُبھرتی ہے کہ جیسے کوئی مصور رنگوں سے منظر پینٹ کر دے۔ مثلاً

"گھاٹ پر کشتیاں کھڑی تھیں اور برگد کے نیچے کسی من چلے ملاح نے زور زور سے ساون الاپنا شروع کر دیا تھا۔ آم کے جھرمٹ میں اکیلا مور پَر پھیلائے کھڑا تھا"(2)

اس ناول کا پہلا حصہ خصوصی توجہ کا حامل ہے۔ اس ناول میں اڑھائی ہزار سال کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ میرے مقالے کے مطابق اس ناول کی ہیئت اور فکر و فلسفہ میرا موضوع نہیں ہے۔ اس لیے میں صرف اس ناول میں پیش کی گئی تہذیب و ثقافت اور زبان کی معروضیت پر بات کروں گا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناول تغیر پذیر ثقافت اور مٹتی تہذیب کا نوحہ ہے۔ ناول کے پہلے حصے میں گنگا کی وادی اتر پردیش، کوشل، اڑیسہ، بہار، ایودھیا، ہمالہ کی ترائیوں اور شمالی جنوبی ہند کو الگ کرنے والے پہاڑوں اور ہماوت کی اونچی چوٹیوں کے منظر نامے کو پیش کیا گیا ہے۔ ان علاقوں کی ثقافت اور زبان پر ہندوستان کے تین بڑے مذاہب کے واضح اثرات ہیں۔ ناول کے بیانیے میں ہندومت، جین مت اور بدھ مت کی مذہبی اصطلاحات شامل ہیں۔ ان مذاہب کا مذہبی بیانیہ ویدانت سے متعلق ہے۔

حکمت و دانائی کی ساری باتیں، تاریخی صداقتیں اور خاص طور پر مکالمے مذہبی متھ (Myth) سے ماخوذ ہیں۔ اس ناول میں تمام معبد، تاریخی عمارتیں، گاؤں، قصبے اور شہروں کی تعمیر سے ثقافتی مظاہر کی عکاسی ہوتی ہے۔ ہمالہ کی ترائیوں کے سوفسطائی فلسفیوں کی وجہ سے ناستک اور برہمن پُر امن فضا میں حوصلے کے ساتھ ایک دوسرے کے نظریات کو جاننے کے خواہش مند ہیں۔

مسلمانوں کی آمد سے جو تہذیبی تبدیلیاں رُونما ہوئی ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔ انگریز کی آمد سے جدید علوم سائنس اور ٹیکنالوجی کے اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جغرافیائی منظر نامے میں شہر، قصبے، گاؤں، درخت، جنگل، ندیاں، دریا، فصلیں، پھول اور موسم، پرندے اور جانور بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً

تکسلا، پاٹلی پتر، ایودھیا، کیلاوستی، متھرا، اجیتی، کاشمیرا، ہستناپور، کوشل ریس، اتر کوشل، پشکروتی، گلم استھان، لکھش ناوتی، اودھ (وچن) ونگا (یورپ) گیا، کاشی، ویشالی کامروپ، کُسم پورہ، جون پور، بہرائچ، بہار، بنگال، بنارس، گجرات، مہاراشٹر، اجین، پریاگ، کانیا کیچ، اج کا، برہما، سندربن، برہم ورت، چندرادیپ، ویشالی، ہماوت، پاوادیب، اندرپرستھ، میمفس، مگدھ، کوسمبی، ریاست متھلا، کوسی نگر، پاٹلی گرام، پشت پورہ، ہری یوپیا، سندھو شہر، راجستھان، سوراشٹر۔ برصغیر کی زرخیزی اور خوشحالی کی وجہ یہاں کے ندی نالے اور دریا وغیرہ ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے ان ندی نالوں اور دریاؤں کو بھی اپنے بیانیے میں شامل کیا ہے۔ مثلاً سرجو ندی، ایراوتی (راوی) چندر بھاگ (چناب) سندھو، برہم پتر، مان سروور کی جھیل، جمنا، گومتی، راپتی، گنگا، ملینا ندی، ترنجن ندی، سون ندی، گنڈک ندی، دیویکا، الکھ نند، بھاگرتی، سریو، ورنادتی وغیرہ۔

اسی طرح برصغیر میں پائے جانے والے جانوروں اور پرندوں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ جیسے سارس، مور، سور، مینا، پپیہا، ہرن، شیر، مینڈک، ہاتھی، ہنس، بیل، گائے، گھوڑے، بطخ، کوئل، مرغابیاں، طوطے، بندر، خچر وغیرہ۔

ناتراشیدہ پتھروں سے بنے ہوئے مندر، مندروں سے جڑے تالاب، مندر کی سیڑھیاں، ایودھیا کی روشنیاں، کچے مکان، لپے پتے مکان، برآمدے، شراوستی میں اس کا سہ منزلہ مکان تھا۔ جس کے برآمدے کے چوبی کھمبوں پر رنگین نقش و نگار بنے تھے۔ نباتات کے حوالے سے یہاں کے درخت، پیڑ بوٹے اور فصلوں کا بھی تذکرہ ہے۔ مثلاً ڈھاک کے جھنڈ، شیشم کے گھنے جنگل، نرکل، بیہڑ، ہرے بانس، جامن کے درخت، دیودار، فالسے، کروندے، برگد، مولسری، اناناس، کیلے، ناریل، مہوا کے باغ، اسوک، کد کے جھنڈ، امرود، انار، پیپل، آم، ببول،

Vol. 4No.2 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

املتاس، کدم کی شاخ، مہوا کے جھنڈ۔ اور جنگلی دھان، گیہوں کے کھیت، پان کی بیلیں، لوکی کی بیلیں، سرسوں، جو، موتیا، چنبیلی، جھیلوں میں نیلے پھول (نیلو فر آبی) کنول، اسوک کے نارنجی سُرخ پھول، چمپا، گیندے کے پھولوں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں قدیم ہندوستان کی ثقافت کے ہر رنگ اور ہر انگ کو اس طرح پیش کیا ہے کہ تہذیب کی تشکیل کرنے والے ثقافت کے سارے عناصر بیک وقت ہر جملے اور ہر لفظ میں، متحرک محسوس ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم صرف لباس، پہناوے، زیور اور بناؤ سنگھار کو موضوع بنائیں تو شمالی ہند کے ہر علاقے کے لباس اور رواج کے بارے میں جانکاری ملتی ہے۔

دھانی اور کپاسی ساریاں، سفید رنگ کی دھوتیاں، چڑے کے جوتے، اکھڑاؤں، شاکیہ منی کے چیلوں کا گیروا لباس، رنگ برنگی سیاہ دھاریوں والی پوشاکیں۔ رنگ برنگی ساریاں، زر نگار پٹکے، سنہری کر دھنیاں، مشرقی ونگا کی ملائم ململ، قیمتی ریشم، گوالنوں کی رنگین کنگریاں، انگوچھے۔۔۔ غرض ہر علاقے اور طبقے کے لوگوں کے لباس، رنگوں کا رواج، زیور اور بناؤ سنگھار کا ذکر موجود ہے۔

”سندھو کا شہر۔۔۔ جہاں کہنیوں تک کڑے پہنے، ماتھے پر تلک لگا، گلے میں سیاہ پوتھ پہنے، کندن کے رنگ والی سہاگنیں شیو، درگا، دیپ لکشمی اور پیپل کی دیوی کی آرتی اتارتیں“۔(3)

اس دور کے فیشن، ڈیزائن اور مختلف طبقات (پیشوں) سے متعلق عورتوں کے لباس اور انداز کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً

”ایک عورت لمبا گھونگھٹ کاڑھے چھاگل بجاتی قریب سے گذر گئی“۔(4)

”کیسری ساری والی لڑکی کو جس نے بالوں میں چمپا کا پھول اڑس رکھا تھا“۔(5)

”سیاہ لباس پہنے لمبے بال کندھوں پر چھٹکائے مرگ نینی لڑکیاں بانس کے جھنڈوں میں رہتی ہیں“۔(6)

”گوالنوں کی رنگین کنگریں دھوپ میں جگمگا رہی تھیں“۔(7)

”گوالنوں کے کنگنوں کو چھوا“۔(8)

قدیم ہند کے اعلیٰ طبقات کے مرد و زن دونوں میں ریشمی لباس اور زیورات کا رواج بھی تھا۔ یہ رواج مغل دور کے بعد تک رہا ہے۔

”عورتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ طبقے کے مرد اور فنکار بھی ریشمی لباس اور زیورات پہنتے تھے اور بناؤ سنگھار بھی کرتے تھے“۔(9)

فنون لطیفہ سے متعلق خواتین کی پوشاکیں، زیورات اور بناؤ سنگھار (میک اپ) دورِ جدید کی دستیاب سہولتوں سے بھی زیادہ دلکش معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ناول کے اس حصے میں تمثیل کی نائیکہ کا سراپا کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

”لمبی چوٹی میں موتیا کا گجرا گندھا تھا اور اس کی طلائی کر دھنی میں یاقوت جڑے ہوئے تھے“۔(10)

”اس نے (گوتم نیلمبر) کیسری رنگ کے ریشمین کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے کانوں میں کرن بھوشن جگمگا رہے تھے“۔(11)

”وہ جوزر تار بنارسی ساری اور سونے کے زیوروں سے مزین تھی“۔(12)

مینڈھیاں گوندھنا، بالوں میں کسیر کے پھول اڑسنا، جوڑے کو رتناکلی سے ڈھانپنا، موتیا، چنبیلی کے گجرے، گلے میں وجنیتی مالا، گلے کی مکتاولی، مونگے اور فیروز کے زیور، صدف، زمرد، نیلم، ہیرے، موتی، شکر ہا اور سولہ سنگھار عورتوں کا معمول تھا۔ زیورات کی سینکڑوں قسمیں اور ڈیزائن تھے۔

Vol.4No.2 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

"اس کے کنول ایسے پیروں میں پدما جگمگا رہی ہے"۔(13)

ناٹک کے ایک کردار کے بارے میں قرۃ العین حیدر نے لکھا ہے کہ اس نے نقرئی پھولوں والی اودے رنگ کی ریشمیں ساری پہن رکھی تھی۔۔۔مانگ میں سیندور اور پیروں میں مہندی اور بچھوئے تھے۔اور چہرے کے بناؤ سنگھار کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:

"کستوری کی پنکھڑیوں کا غازہ چہرے پر مل کر، کُم کُم اور کاجل سے آراستہ ہو، نفیس میناکاری کے گہنے پہن کے جب وہ تماشا گاہ میں نمودار ہوئی تھی"۔(14)

اس ناول" آگ کا دریا" میں قرۃ العین حیدر نے شروع کے صفحات میں قدیم ہندوستان کی ثقافت کو موضوع بنایا ہے۔ثقافت میں فنونِ لطیفہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔قرۃ العین حیدر نے قدیم ہندوستان کے فنون لطیفہ کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ مصنفہ کی فنون لطیفہ سے دلچسپی، معلومات اور فنی باریکیوں سے آگاہی کو دیکھ کر قاری بے اختیار خراجِ تحسین پیش کرنے لگتا ہے۔انہوں نے مصوری، سنگ تراشی، موسیقی، رقص، ناٹک، مورتی بنانے کے فن، داستان گوئی (بھاٹ) شاعری، نثر نگاری کو اپنے ناول کے بیانیے میں شامل کیا ہے۔ ناول کے ماجرے میں انہوں نے معاشرے میں موجود ہر کلاکار کے فن کو اجاگر کیا ہے۔اور ایسی معلومات فراہم کی ہیں کہ شاید ہی اس فن کا ماہر اتنا کچھ بتا سکے۔خاص طور پر اگر ہم یہاں مصوری، موسیقی اور رقص کے حوالے سے بات کریں تو فن کی کئی پرتیں کھلتی جاتی ہیں۔

"دوسرے روز صبح سویرے وہ اپنا تصویر کشی اور مجسمہ سازی کا سامان لے کر مہوے کے باغ کی سمت روانہ ہو گیا۔تالاب کے کنارے بیٹھ کر اس نے گیرو پیسا اور اس کا سرخ رنگ تیار کیا۔نیل کی پڑیا مٹی کے کٹورے میں گھولی، ہلدی اور کیسر سے زرد اور زعفرانی رنگ تیار کیے"۔(15)

قرۃ العین حیدر نے قدیم برصغیر کے مشاغل کے بارے میں جو یہ باتیں لکھی ہیں۔ہمیں حیرت میں ڈال دیتی ہیں کہ ہندوستان کی ثقافت کس نہج پر پہنچ چکی تھی۔کیونکہ یہ انداز یورپ کے موجودہ کلچر میں پایا جاتا ہے۔جبکہ ہندوالے اظہار ذات کی اس خوبصورتی اور آزادی سے قدیمی آگاہ تھے۔اور مصوری و موسیقی کے لیے انہوں نے اسی انداز کو اپنایا ہوا تھا۔ناول کے پہلے حصے میں کئی جگہوں پر انہوں نے مصوری کے لوازمات، فنی باریکیوں، رنگوں، فلسفوں اور مصوری کی اقسام کو بیان کیا ہے۔مثلاً

"تصویر رنگ نہیں مصور کی روح ہے"۔(16)

"رنگے ناو دیاتے چترم۔۔۔آنکھ صرف رنگ دیکھتی ہے جو سطح پر موجود ہیں"۔(17)

ویدانت والوں کا تصور فن، تصویر کا اصل مخرج روشنی، امورت کی بحث، اصل فن، جمالیاتی تجربہ، لگن، تخیل کی اہمیت اور مصوری سے مورتی بنانے، دیواروں پر تصویریں بنانے، تختیوں پر مابعد الطبیعات کی علامتوں، زمین کے درخت، کنول، دنیا کے پہیے، آگ کے ستون اور زندگی کے مناظر، عورت، بیل، پتے، گائیں، پھول اور کسان کو اجاگر کرنا۔

ناگرک (فیشن ایبل پورٹریٹ پینٹنگ) کی طرف کے سفر کو بیان کیا گیا ہے۔فن موسیقی کے حوالے سے علم موسیقی کی ساری بحثوں اور فلاسفی کو پیش کیا گیا ہے۔مثلاً سُر، لے، تال، ساپاسا۔

موسیقی کے آلات، شنکھ، دوتارہ، بلن، جھانجھ، شہنائی، گھنگرو، سرمنڈل، چھتارے، ڈمرو، مردنگ، جھانجھن، ہنڈول، بانسری، تان پورہ وغیرہ اس فن موسیقی میں لازم سمجھے جاتے تھے۔

"جمنا کے کنارے مہاوشنو بانسری پر نغمہ حیات بجا رہے ہیں۔۔۔کائنات ان گنت سازوں کی جھنکار سے گونج رہی ہے۔راگ تخلیق ہو رہے ہیں۔۔۔فضائے بسیط میں بھیرو، مالکونس، ہنڈول، میگھ، دیپک، سری کے دیو گرج رہے ہیں۔۔۔جنگل کے پرندے اور جانور بھی شاعر اور موسیقار کے ساتھی اور دوست ہیں۔۔۔مور کھرج میں جھنکارتا ہے۔پپیہا رکھب میں اپنی رٹ لگاتا ہے۔بکری گندھار

میں ممیاتی ہے۔ کلنگ مدھم میں پکارتا ہے۔ کوئل کی کوک میں پنچم کا سُر ہے۔ دھیوت گھوڑے کا ہنہنانا ہے۔ نکھاد ہاتھی کی چنگھاڑ ہے"۔(18)

ناٹک (ڈرامہ) کو عام طور پر یونان سے جوڑا جاتا ہے۔ لیکن اس ناول میں قرۃ العین حیدر نے ہندوستان کی قدیم ثقافت میں ناٹک کو عوامی دلچسپی کی مقبول ترین صنف قرار دیا ہے۔ ناٹک، ناٹک گھر کی تعمیر سے لے کر تمثیل پیش کرنے تک تمام فنونِ لطیفہ کو یکجا کر دیتا ہے۔ تمثیل کو پیش کرنے کے لیے موسیقی، رقص، اداکاری، فنِ عروض، خطابت، شاعری اور مکالمہ نگاری، روشنی کی ترتیب، سٹیج کی آرائش یونان کی لکھی ہوئی تاریخ موجود ہے۔ قدیم ترین رزمیہ نظموں "اوڈیسی اور ایلیٹ" کے شاعر ہومر کا زمانہ اندازے سے ۸ صدی قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ جغرافیائی طور پر یونان کی سرزمین پر انسانی آبادیوں کے آثار فطرت کے ہاتھوں اس طرح نیست ونابود نہیں ہوئے جس طرح ہندوستان کے میدانی علاقوں کی آبادیاں اور آثار دریاؤں کے کنارے ہونے کی وجہ سے ناپید ہوئے ہیں۔ آج بھی چند مقامات کے آثار ملے ہیں۔ مثلاً موہنجو دڑو، ہڑپہ وغیرہ۔ جبکہ کتنے شہر ہوں گے کہ جن کے آثار تک اوجھل ہو گئے۔ موہنجو دڑو اور ہڑپہ کے آثار کو اب تک پڑھا نہیں جاسکا۔ جس کی وجہ سے کوئی واضح تصور قائم نہیں ہو سکا۔

گوتم کا زمانہ بھی ٦ صدی قبل مسیح کا بتایا جاتا ہے۔ رامائن اور مہابھارت بھی قدیم ترین ہیں۔ ان پرانی مذہبی کتابوں میں مکالمہ موجود ہے۔ اس مکالمے سے ہمیں ناٹک کا پتہ ملتا ہے۔ گوتم سے پہلے بھی یہ قصے موجود تھے۔ خاص طور پر رامائن کا بنیادی قصہ پہلے سے موجود تھا۔ اور یہ تو طے ہے کہ دنیا کا معلوم قدیم مذہب ویدانت ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستانی ناٹک قدیم ترین ہے۔

فنون لطیفہ سے جڑے لوگ اپنے فن کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں۔ یہ فنکار جہاں ناٹک گھروں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں وہیں ان کی منڈلیاں خانہ بدوشوں کی طرح گاؤں گاؤں جاکر اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ بھاٹ جنگوں کی داستانیں سناتے پھرتے ہیں۔ شاعر بنجاروں کی طرح کویتا سناتے پھرتے ہیں۔

شاعری باقاعدہ فوجیوں کی طرح ایک پیشہ ہے۔ مذہب سے جڑے لوگ مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ سیاست ارجہاں بانی سے وابستہ اپنے علوم وفنون میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ حکومتوں نے اپنے استحکام کے لیے جاسوسی کے محکمے قائم کیے ہوئے ہیں۔ حجام، نجومی، نوکر چاکر، طوائفیں، کسان، سادھو اور سپیرے جاسوسی کا کام بھی کرتے ہیں۔ ہتھیار خانوں میں اسلحہ گھڑا جا رہا ہے۔ بندر گاہوں پہ جہاز بن رہے ہیں۔ کپڑا بننے کے سرکاری کارخانے ہیں۔ زیور گھڑے جا رہے ہیں۔

"معدنیات، بازار، منڈیاں، نہریں، آب پاشی، شفاخانے، مالیات، تجارتی گودام، باغات، محصول، دیوانی، فوجداری مقدمے، طلاق، شادی، وراثت کے قوانین، تعلقات عامہ، امور خارجہ، دفاع، چراگاہوں اور قصاب خانوں کے الگ الگ محکمے قائم کیے ہیں"۔(19)

کاریگروں، سناروں، بزازوں، آڑھتیوں کے الگ محلے ہیں۔ ان کی اپنی اپنی منڈلیاں ہیں اور اپنے قوانین۔ رتھ کار، مٹی کے برتن بنانے والے، کلال اور بید کی ٹوکریاں بنانے والے، کانسی کے زیور، مردوں کی اترن پہننے والے، ٹوٹے برتنوں میں کھانے والے، چنڈالوں کی الگ تھلگ بستیاں ہیں۔ جن کا پیشہ مُردے اٹھانا اور جلانا ہے۔ ملاح کشتیوں میں مسافروں کو اجرت پر دریا پار کرواتے ہیں۔ ہاتھی پکڑنا اور سدھانا بھی ایک پیشہ ہے۔ موتیا، چنبیلی کے گجرے بیچنے والے ہیں۔ کسان ہیں لی کار (رپورٹر) ہیں۔ مور پالنے والے ہیں۔

"شام پڑے دونوں لڑکے مور پالنے والوں کے ایک گاؤں کی فصیل کے اندر داخل ہوئے۔ ان گنت مور چاروں اور باغوں میں گھوم رہے تھے۔ چھپروں کے نیچے مور کے پروں کے پنکھے اور مور چھل تیار کیے جا رہے تھے"۔(20)

اداکاروں کے لباس اور زیورات جیسے کئی علوم میں مہارت درکار ہوتی ہے۔ کسی بھی تہذیب کے فنون لطیفہ سے ہم اس کی قدامت کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ ہندوستان کے فنون لطیفہ کی باریکیوں سے تہذیبی سفر کا بخوبی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں ہم ہندوستانی رقص کو مثال کے طور پر پیش کرسکتے ہیں۔ ناول "آگ کا دریا" میں مصنفہ نے اس فن کی باریکیوں کو بیان کیا ہے۔ رقص کی اقسام بتائی ہیں۔ ہاتھوں، بازوؤں اور آنکھوں کے زاویے اور انداز (رس اور بھاؤ) بتائے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

”سندھیا تانڈو ناچتا ہوا وہ منڈپ کے وسط میں آ گیا۔ اس نے شو کی مانند رقص کے ایک سو آٹھ مختلف مظاہرے کیے۔ اس نے آٹھوں رس دکھلائے۔ یہ وشنو کا شرنگار رس ہے۔ یہ اندر کا ویر رس۔ یہ یم کا کرونا۔ یہ رور اکا رور رس۔ یہ کال کا بھیانک رس ہے۔ یہ گندھر وکا او بھت رس۔ یہ شانت رس ہے۔ یہ شو کا رقص ہے“۔(21)

رقاص سر، آنکھوں، بھنوؤں، بازوؤں، ہاتھوں، انگلیوں، پیروں اور اپنے پورے وجود سے ایسا رقص پیش کرتا ہے کہ جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے بھی فنون لطیفہ کی اکثر اقسام زبان کے عجز کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ اس فن میں ایک آہنگ اور لے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ:۔

”آنکھ کے تین طرح کے اشاروں کی پینتالیس قسمیں ہیں۔ گردن کے نو مختلف اشارے ہیں۔ ہاتھوں کی مدراؤں کی چار قسمیں اور ہر قسم کی چوبیس علیحدہ علیحدہ شاخیں۔ ان گنت طرح لے لوچ اور جھکاؤ ہیں۔ جسم کی حرکات ایک سو آٹھ انداز کی ہیں۔ جس طرح گائتری منتر ایک سو آٹھ دفعہ پڑھا جاتا ہے۔ یا جیسے آرتی کے ہر دیپ میں ایک سو آٹھ چراغ روشن ہوتے ہیں اسی طرح نٹ راج کے ایک سو آٹھ مختلف ناچ ہیں“۔(22)

فن تعمیر کے حوالے سے گاؤں، قصبوں اور شہروں میں ہر طبقے کے لوگوں گھروں، حویلیوں، محلوں اور دیگر اداروں کی طرزِ تعمیر کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ مثلاً ہزار ستونوں والے چوبی محل، طعام خانے، شفا خانے، کپڑا بننے کے سرکاری کارخانے، تجارتی گوداموں کی عمارتیں، قمار خانے، ویشاؤں کے گھر، ناٹک گھر، ناٹک گھروں میں مختلف طبقوں کے لیے الگ الگ دیوان، ناتراشیدہ پتھروں سے بنے مندر، پاٹ شالے، آشرم، لکڑی کے مکان، سنگ تراشی کے مدرسے، بڑی بڑی حویلیاں، باغ، تالاب خنک تہہ خانے، اونچے گھروں کے جھروکے، جھونپڑے، ناچ گھر، نگار خانے اور عام لوگوں کے گھر، محلے، نگر، پور، نگریاں اور آبادیاں، اس ثقافت کا حصہ تھیں۔

”فصیل کے برجوں میں پہرے دار للکار رہے تھے۔ وہ ایک پھاٹک کے قریب پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ اس شہر پناہ کے چونسٹھ پھاٹک تھے“۔(23)

”شراوستی میں اس کا سہ منزلہ مکان تھا جس کے برآمدے کے چوبی کھمبوں پر رنگین نقش و نگار بنے تھے“۔(24)

”ایک لپے پتے مکان کے دوار پر روشنی جل رہی تھی“۔(25)

ہر لمحہ تغیر پذیر ثقافت کی ایک جہت تاریخ ہے۔ اس ناول میں تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ جنگ بھی ثقافت کی ہی ایک جہت ہے۔ علاقائی جنگوں کے ساتھ ساتھ بیرونی حملہ آوروں سے برسرِ پیکار خواص و عام کے رویے اور ان کی زندگی پر جنگوں کے اثرات کا جائزہ بھی موجود ہے۔ حالانکہ زمان کے بیان کے حوالے سے یہ ایک منفرد پیش کش ہے۔ گزرے زمانے کو اور خاص طور پر ڈھائی ہزار سال پرانی ثقافت کو متحرک دکھانا مصنفہ کا کارنامہ ہے۔ جس میں انہوں نے صرف تخیل سے کام نہیں لیا بلکہ ان کا مطالعہ، تاریخی شعور اور مشاہدہ کار فرما ہے۔

تہذیب یا ثقافت مٹتی نہیں بلکہ نئی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس ناول میں ہندوستان (خاص طور پر شمالی ہندوستان) کے جغرافیہ، ثقافت اور زبان کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ وقت کی تیز دھار تلوار کے سامنے مجموعی ثقافت کی مزاحمت اور تغیر کو پیش کیا گیا ہے۔ بیرونی اقوام کی ثقافت کو اپنے اندر سمو لینے والی دھرتی ہندوستان کے ثقافتی منظر نامے کو فخر کے ساتھ موضوع بنایا گیا ہے۔

قدیم ہند کی ثقافت کے بیان کے بعد قرۃ العین حیدر نے تاریخی شعور کے ساتھ بیرونی عناصر کی آمد اور مداخلت سے جو تغیر و تبدل ہوا اور جس طرح کی ملواں ثقافت اور زبان بنی ناول کے اس حصے میں قرۃ العین حیدر نے برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے ثقافت اور زبان میں جو تغیر اور اشتراک پیدا ہوا اس کو بیان کیا ہے۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے ثقافت اور زبان پر واضح اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمان برصغیر میں ہمیں دو رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ایک گروہ سے تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔ یہ گروہ سخت عقیدے کی وجہ سے متشدّد ہے۔ رعب، دبدبہ، تشدد پسند رویہ، حکمرانی کی خو بو ہے۔ مذہبی علماء کا طبقہ حکمرانوں کا طرفدار رہے۔ جس کی وجہ سے ملاں شریعت کو لے کر الگ رہا ہے۔ حکمران تو پھر حکمران تھے۔ جبکہ دوسری طرف مسلمان صوفیاء اور فقراء ہیں۔ یہ لوگ توحید کے پرچار کے ساتھ مقامی ثقافت میں رچ بس گئے۔ عام طبقے نے سب سے پہلے مسلمان فقراء

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اور صوفیاء کو گلے لگایا اور اجنبیت ختم ہوئی۔ دونوں مذاہب کے لوگوں کے میلے ٹھیلے اور تہوار سانجھے ہوگئے۔ ایک دوسرے کی خوشی غمی میں شرکت ہونے لگی۔ ویسے بھی مسلمان مقامی آبادی سے الگ نہیں رہ سکتے تھے۔ مقامی آبادی نے دونوں طبقوں کی میزبانی کی۔

آشرم، مندر کے ساتھ خانقاہیں اور مساجد تعمیر ہوئیں۔ انسان دوست بھگتوں، صوفیوں اور بزرگوں کے مزارات عوام الناس کے لیے قابلِ احترام ٹھہرے اور اصل میں اسلام امن پسند صوفی پھیلا رہے تھے۔ عرب ذاتی طور پر کسی ثقافت یا تہذیب کے مالک نہیں تھے۔ لیکن مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے وہ جب ہندوستان پہنچے تو ہر تہذیب و ثقافت سے استفادہ کرنے کی وجہ سے ہندوستان کی ثقافت میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ اس سے قبل ہندوستان کے باشندے بیرونی دنیا سے تقریباً کٹے ہوئے تھے۔ لیکن اب عربوں کی بے باکی، سادگی اور ذہن کے ساتھ ایرانی فنون لطیفہ، چینی حکمت، ترکی، سمرقند، بخارا، کاشغر، بغداد، دمشق کے رنگ بھی شامل ہوگئے۔

اہل سیف کے ساتھ آنے والے اہل علم کی جستجو، توجہ اور تجسس کی وجہ سے مقامی علم و حکمت کے تراجم ہوئے۔ مقامی زبان سیکھنے اور سمجھنے کی شروعات ہوئیں اور مقامی لوگ عربی، فارسی زبان اور ثقافت کے دیگر رنگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ناول کے اس حصے میں ہمیں دونوں مذاہب اور ثقافت کے لوگ ایک دوسرے سے مستفید ہوتے نظر آتے ہیں۔

اب چمپک، سروجنی، سیتا، ساوتری، سجاتا، نند بالا، پاروتی، گوتم نیلمبر، ہری شنکر، راجن، سدرشن، آنند، پرکاش کے ساتھ ساتھ ناجیہ، ام رباب، سلیمہ بانو، آمنہ، فاطمہ، ابوالمنصور کمال الدین حسین، جلال الدین، قاسم اور میر حسن کے نام کے کردار بھی نظر آتے ہیں۔ مساجد کی تعمیر میں مندروں کے دیوار و در پر بنے بتوں کی تقلید میں کیلی گرافی نے لے لی۔ بھجن کے ساتھ ساتھ نعتیں اور قوالی گونجنے لگیں۔ پہناوے اور زیورات میں اشتراک پیدا ہوا۔ چنڈیلے، راجپوت، بھگیلے، راٹھور، چوہان، آبھا قوموں کے ساتھ قریشی ہاشمی، صدیقی، فاروقی نظر آنے لگے۔ گنگا جل کے مقابلے میں آبِ زم زم اور بھل کے مقابلے میں قُل ہونے لگے۔ ابوالمنصور کمال شیام کرن گھوڑے پر سوار نمودار ہوتا ہے اور مقامی لڑکی چمپا اسے محبت سے کمل جی پکارتی ہے۔ نئے نئے موسیقی کے آلات بنائے گئے اور راگوں میں اختراعات ہوئیں۔ سلطان حسین شرقی جس نے موسیقی میں ایک نئی جہت کا اضافہ کیا تھا۔

عرب مرد اور ایرانی عورت کی اولاد ہندوستان کو اپنا دیس اور وطن قرار دینے لگی۔ عرب مسلمانوں اور افغان مسلمانوں کی جنگ میں مقامی راجے عربوں کی مدد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ برہمن اور سید رشتہ داری بنا رہے ہیں۔ بہلول کے بیٹے سکندر کی ماں ہماوتی ہے۔ ہندوستان کی مقامی ثقافت اور مسلمانوں کی ثقافت کے امتزاج سے جو خوبصورت تنوع وجود میں آیا ہے وہ ثقافتی ہندوستان کے لوگوں میں نیا منظر نامہ تخلیق کرتا ہے۔

خاص طور پر جب یہاں کے مقامی لوگوں نے اسلام قبول کیا تو ہندوستان کی ثقافت کے ایک جز مذہب کی وجہ سے کیا اثرات مرتب ہوئے یہ ایک دلچسپ موضوع ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اگر انگریزوں کی ثقافت کے ہندوستان پر اثرات کا جائزہ لیا جائے تو دو بالکل مختلف جہتیں دکھائی دیتی ہیں۔ ایک جدید علوم اور ٹیکنالوجی کے ثمرات کی جہت ہے دوسری اینگلو انڈین سوسائٹی تصویر کا ایک ایسا رُخ ہے جسے نہ تو خود انگریزوں نے قبول کیا اور نہ ہندوستانی آبادی نے۔ ہندوستان میں ہندو مسلمان اشتراک سے جو ایک تہذیب پروان چڑھی تھی وہ ایک وقت میں انگریزوں کے لیے بھی قابل تقلید رہی ہے۔ برصغیر کی ثقافت اور زبان کو جاننا اور اس ثقافت کا حصہ بننا ایک طرح سے انگریز کی تجارتی مجبوری تھی۔ دوسرا یہ لوگ یہاں کی ثقافت سے مرعوب بھی تھے۔ اس حوالے سے اگر ہم کلکتہ اور لکھنو کے نوابین، جاگیر دار اور امراء کے طرزِ حیات کا مطالعہ کریں تو واقعی انگریزوں کے لیے حیرانی اور رشک کا باعث تھی۔ ناول کا ایک کردار سرل ہے۔ چھ مہینے کے بعد اپنے والد کو خط لکھ کر بتاتا ہے کہ

"میں نے ایک مسلمان منشی نوکر رکھا ہے جس کا نام ابوالمکارم ہے وہ مجھے فارسی اور بنگالی پڑھاتا ہے"۔(26)

انگلینڈ کا یہ تاجر طبقہ کچھ عرصہ پہلے تک کیمبرج کی گلیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا اور چند پنس کے آلو کھا رہا تھا۔ یہ طبقہ جب ہندوستان پہنچا تو یہاں کی الف لیلوی دنیا نے اسے حیرت زدہ کر دیا۔

"نوابوں کی طرح زندگی گزارنا ان کا آدرش تھا۔ حرم، حقہ، شعر و شاعری، ناچ رنگ، مرغ بازی۔۔۔ یہ مشاغل ان فرنگیوں کے تھے"۔(27)

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اب ایک طرف تو ہندوستان کا پسا ہوا طبقہ عیسائیت قبول کر رہا ہے۔ تاکہ مشن والے اس کی غربت کے مسائل حل کر دیں اور دوسری طرف انگریز مسلمانوں کی پیروی میں اپنے رہن سہن کو مشرقی بنا رہے ہیں۔ برصغیر میں انگریزوں نے کبھی سرکاری سطح پر مذہب کا پرچار نہیں کیا بلکہ اس حوالے سے پادریوں کی ذاتی کاوش سے مختلف کوششیں دکھائی دیتی ہیں۔ یورپشین طبقے کی بنیاد پُرتگالیوں کی آمد سے پڑی تھی پھر فرنچ اور ولندیزیوں نے آکر اچھوتوں کو عیسائی کیا۔

انگریز برصغیر میں کبھی بہت زیادہ تعداد میں نہیں رہے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں مسلمان برصغیر میں کثرت سے رہے ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا تقریباً 11 سو سال کا ساتھ ہے۔ جبکہ انگریز ساحلی علاقوں سے اندرون ہندوستان 1800ء کے بعد داخل ہوتے ہیں۔ عربی النسل مسلمان بہت کم تعداد میں برصغیر آئے ہیں۔ ایران کے ساتھ برصغیر کے قدیم تعلقات تھے۔ بدھ مذہب سے مسلمان ہونے والوں کی بڑی تعداد برصغیر سے تعلق رکھتی ہے۔ افغانستان کے پٹھان قدیم زمانے سے ہندوستان سے مراسم رکھتے تھے۔ اکبر کے زمانے میں کابل قندھار مغل سلطنت کا حصہ رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں برصغیر میں آنے والی اقوام کے ساتھ مذہبی آبادی کے تعلق میں فرق نظر آتا ہے۔

قدیم زمانے میں ہندوستانی اقدار میں نسلی تعصب زیادہ نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے ہندوستانی ثقافت ہر قوم سے مستفید ہوئی۔ انگریزوں کے مقامی آبادی سے میل جول کو اکثر اختصار سے بیان کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں نے اونچے مسلمان گھرانوں میں شادیاں کیں۔ شاہ عالم ثانی کی بیٹی شہزادی فیض النساء اور کیملے کی شہزادی ظہور النساء بیگم کی شادیاں انگریزوں سے ہوئیں۔ کلکتے کے جوب چارنوک کی بیوی بھی ہندوستانی تھی۔

انگریزوں نے ہندوستانی ثقافت کے سارے رنگوں کو اپنایا۔ مثلاً انہوں نے مقامی جاگیرداروں کے انداز اور خصلتیں اپنائیں۔ شہر سے باہر باغوں میں بنگلے بنوائے۔ حرم، حقہ، ناچ رنگ، مرغ بازی، اردو ادب میں دلچسپی اور شعر و شاعری انگریزوں کی زندگی میں شامل تھیں۔ انگریز ہندوستانی کھانے، مشروبات، آداب زندگی، رسم و رواج، تہواروں سے نہ صرف واقف تھے بلکہ یہ ساری باتیں ان کی زندگی میں شامل ہو چکی تھیں۔ نوابوں کی طرح زندگی گزارنا ان کا آدرش تھا۔ بنگالی جاگیردارانہ تہذیب میں فرنگی افسر بھی گھُل مل چکا تھا۔

"ہندوستانی نوابوں اور انگریز اونچے طبقے نے آپس میں سمجھوتہ کر کے ایک انتہائی مہذب فضا کی بنیاد ڈالی تھی۔"(28)

یہ ساری باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ہندوستان کی خوبصورت ثقافت کا جادو اور رنگ انگریز کو بھی اپنا گرویدہ کر چکا تھا۔ خاص طور پر ہندوستانی جاگیردار، نواب اور راجوں مہاراجوں کا طرزِ حیات اور شان و شوکت انگریزوں کو اپنا گرویدہ کر چکی تھی۔

"انگریز گویا نواب بننے لگے تھے"۔(29)

دوسری طرف مغرب کی تہذیب، ثقافت اور زبان کے اثرات ہندوستانی علاقوں پر اپنا نقش جما رہے تھے۔

"ڈاکٹر مکلوڈ بیٹھے فارسی میں گفتگو کر رہے تھے۔ کمرے کے ایک کونے میں انگریز تپائی پر بیٹھا بیگ پائپ بجا رہا تھا۔ پھر رجب علی، فضل علی قوال نے بسنت کا خیال چھیڑا، برآمدے میں انگریزی بینڈ بج رہا تھا"۔(30)

ہندو مسلم تہذیب و ثقافت میں انگریزوں کی ثقافت بھی شامل ہو چکی تھی۔

"کھانا میز پر خالص انگریزی فیشن کا پیش کیا گیا۔۔۔۔ ریذیڈنٹ بہادر جوڑی دار پگڑی سر پیچ، گوشوارے ہندوستانی جامے میں ملبوس، جھالر دار پالکی میں بیٹھے چلے جاتے تھے"۔(31)

ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اشتراک سے جو ثقافت اور تہذیب پروان چڑھی، قرۃ العین حیدر اس تہذیب کی پروردہ اور دلدادہ ہیں۔ وہ مغرب کی ثقافت کے ثمرات اور اچھائیوں کو بھی خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں اس ملواں تہذیب و ثقافت کے حسین رنگوں سے تصویریں بنائی ہیں۔ یہ تہذیب ایک اور صدی کا ثمر نہ تھی بلکہ یہ ہزار سال سے زیادہ عرصے کا قصہ ہے۔ اس ہندوستانی تہذیب میں ہندوستان کے سارے علاقوں کی ثقافتوں کے رنگ جگمگا رہے تھے۔ اگر ہندوستان کی تہذیب کو تراشا ہوا ہیرا قرار دیں تو اس کا

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہر پہلو ایک الگ ثقافت کی جھلک دکھا رہا تھا۔ دلی، فیض آباد، حیدر آباد دکن، مرشد آباد، کلکتہ، اودھ، ڈھاکہ، الہ آباد، بنارس اور لکھنؤ ہر شہر کی ایک منفرد تاریخ اور ثقافت ہے۔ سب کا جداجدا نرالا انداز، تعمیر، موسم، منظر، مزاج، لہجہ اور زبان ہے۔

محمد اکرم چغتائی "گزشتہ لکھنؤ" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"اشخاص کی طرح بڑے شہروں کے بھی اپنے مخصوص مزاج ہوتے ہیں۔ جن کی تشکیل میں صدیوں پر پھیلے ہوئے تاریخی، ثقافتی اور سماجی عوامل الگ الگ اپنا کردار ادا کرتے ہیں"۔(32)

اگر ہم ہندو مسلم ہزار سال کی رفاقت کے نتیجے میں ابھرنے والی تہذیب کو تعمیر کرنے والی مختلف علاقوں کی ثقافتوں کا جائزہ لیں تو ہمیں کئی علاقے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے اگر ہم صرف لکھنؤ کی معاشرت اور ثقافت کو موضوع بنائیں تو بھی لکھنوی زندگی کے سارے رنگوں کو پیش کرنے سے قاصر رہیں گے۔

"یہ وہ لکھنؤ ہے جو کبھی تہذیب و ثقافت، شعر و ادب، نازک خیالی و نازک اندامی، بانکپن اور وضع داری کا مظہر تھا۔ نوابوں، امراء ارباب نشاط اور طوائفوں کا لکھنؤ جہاں چاند سورج کا کٹورا بجتا تھا جو بے سہاگ دلی کے مقابلے میں عروس البلاد تھا"۔(33)

لکھنؤ کی زندگی کے کئی رنگ ہیں۔ پر دن چڑھنے کی نوبت بجنے والی ہے۔ قریبی دیہات کے لوگ بیل گاڑیوں اور شکر موں میں ترکاریاں، پھل اور مسافر لادے آرہے ہیں۔ چوک نخاس میں چہل پہل عام شہریوں کے دم سے ہے۔ ساقنوں اور تنبولوں کی دکانیں سجی ہیں۔ مہریاں خوش گپیوں میں مگن ہیں۔ بازار کی رونق میں شامل لوگ آرہے ہیں۔ حقے کے کش لگا رہے ہیں۔ زردہ کھا رہے ہیں۔ اپنے کاموں میں مصروف ہوتے جاتے ہیں۔ امراء کے محلات کے پائیں باغ صاف ہو رہے ہیں۔ ملازم باسی، پھول اور گجرے سمیٹ رہے ہیں۔ تلنگے، جھلنگے، حبشی سپاہی، راجپوت عہدے دار، پہرے دار مستعد کھڑے ہیں۔ گومتی کے کنارے کی کوٹھیاں، حیات بخش، ٹیڑھی کوٹھی، سنگھاڑے والی کوٹھی، خورشید منزل، کنکر والی کوٹھی اپنی الگ شان دکھا رہی ہیں۔

ہولی، دیوالی، ساون اور بسنت کے تہوار منائے جا رہے ہیں۔ خوش شکل، خوش لباس تنبولیں، کنجڑیں، بھٹیارنیں ساون اور لاونیاں گاتی پھر رہی ہیں۔ بیت بازی ہو رہی ہے۔ ستار، جلترنگ اور طنبورے کی صدائیں آرہی ہیں۔ سخی دیالو، دیو تا سمان آصف الدولہ کا زمانہ ہے۔ قحط سالی میں شرفاء کی شرافت کے بھرم رکھنے کورات کو امام باڑہ تعمیر ہو رہا ہے۔

"جس کو نہ دے مولا۔۔۔۔۔ اس کو آصف الدولہ"۔(34)

ایودھیا اور بنارس کی قدیم موسیقی کی روایت کو منایا جا رہا ہے۔ فیض آباد اور لکھنؤ کے رنگ بھوم پر ناٹک کھیلا جا رہا ہے۔ رقاص رقص کر رہے ہیں۔ سارے ہندوستان سے فنکار یہاں اکٹھے ہو چکے ہیں۔ ایرانی شیعہ ہوں یا فرنگی محل کے مولوی، بالا ناتھ کے جوگی ہوں یا صوفی یا عود کی خوشبو میں گندھے پنڈت، لکھنؤ سب کا ہے۔ ہندو تعزیہ داری کر رہے ہیں اور مسلمان دیوالی منا رہے ہیں۔ جس طرح لکھنؤ کی شیعت ساری دنیا سے نرالی تھی اسی طرح سارے زمانے سے منفرد محرم لکھنؤ میں منایا جاتا تھا۔ محرم منانے کے لیے جیلوں میں قید مشہور ڈاکو عارضی طور پر رہا کیے جا رہے ہیں۔ زنانہ مردانہ محرم کی مجالس، محرم کا سوگ، گھاس، موم اور کاغذ کے تعزیے فنکارانہ صناعی کے شاہکار بنائے جا رہے ہیں۔ عربی شاعری میں رجز اور مرثیے اظہارِ فن کا ذریعہ رہے ہیں۔ فارسی شعری روایت میں بھی مرثیہ موجود رہا ہے۔ دلی میں بھی مرثیہ کی صنف "بگڑا شاعر مرثیہ گو" کی وجہ سے خاص پروان نہ چڑھ سکی لیکن لکھنؤ نے نہ صرف اس صنف میں درجہ کمال حاصل کیا بلکہ شاعرانہ شہر قرار پایا۔

موسیقی میں سوز خوانی کا سہرا بھی لکھنؤ کے محرم کی وجہ سے ہے۔ تحت اللفظ میں مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی کو بھی لکھنؤ میں رواج ملا۔ غرض یہ کہ محرم لکھنؤ کے اس معاشرے کی ثقافت کے ہر شعبے کی خارجیت سے تو عیاں تھا ہی داخلیت میں بھی سرایت کر چکا تھا۔ اسی طرح لکھنوی ثقافت کے دیگر ادارے مثلاً طوائف کا ادارہ، شعر و ادب، تعمیرات، موسیقی، کھیل، تماشے، رقص، دسترخوان کے لوازمات، لباس، وضع قطع، اخلاق وعادات، طرز کلام اور مزاج پرسی کا طریقہ تک سارے ہندوستان سے منفرد تھا۔

اس ناول میں قرۃ العین حیدر وقت کے دھارے کے ساتھ تغیر پذیر ثقافت کو بیان کرتے ہوئے قاری کو بدلتے رنگوں اور منظروں کو فلم کے بدلے سین کی طرح دکھا رہی ہیں اور وہ اس تغیر و تبدل کے بارے میں واضح نظریہ رکھتی ہیں۔

”عطر غلاب خوشبو لونڈر نے چھین لی

جنتری کی تمام کھریں کلنڈر نے چھین لیں“

اب یہ 1940ء کا ہندوستان ہے جو تیزی سے بدل رہا ہے۔ انگریزوں کی لائی ہوئی ثقافت کے ثمرات (سائنسی ایجادات) عوام الناس تک پہنچ رہے ہیں۔ تعلیم سے آگاہی مل رہی ہے۔ پرانی رسمیں اور رواج دم توڑ رہے ہیں۔ سکول، کالج، یونیورسٹی اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ایک طرف سیاسی شعور، آزادی کا غل ہے تو دوسری طرف ملواں ثقافت، تہذیب اور معاشرت بکھر رہی ہے۔ تقسیم ہند سے دو علاقے دو ثقافتیں وجود میں آئی ہیں۔ ہندوستان میں پاکستانی علاقوں سے آنے والے لوگ خود کو ایک نئے ماحول اور رنگ میں دیکھ رہے ہیں۔ اور ہندوستانی علاقوں سے آنے والے لوگ پاکستانی علاقوں میں بس رہے ہیں اور علاقائی ثقافتوں سے مستفیض ہو رہے ہیں اور مستفید کر رہے ہیں۔

”کراچی۔۔۔ مملکت خداداد پاکستان، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت اور دنیا کے پانچویں بڑے ملک، دارالحکومت، جہاں سلمز اور پناہ گزینوں کے جھونپڑے عجائبات عالم میں شمار کیے جاتے ہیں“۔(35)

اک نیا سماج اور نئی ثقافت وجود میں آ رہی ہے جس کا مرکز کراچی شہر ہے۔

”اب کراچی گویا مہاجرین کا گڑھ ہے“۔(36)

یہاں اتر پردیش والے، آگرہ والے، حیدرآباد دکن والے، امروہہ والوں کا جتھا، لکھنؤ والے آباد ہو چکے ہیں، ہو رہے ہیں۔ پاکستان میں آنے والے مہاجر ویزے بنوا کر ہر سال ہندوستان رہ جانے والے عزیزوں سے ملنے جاتے ہیں۔

”جس کو اب تک یہ "گھر" کہتے ہیں یعنی گھر دراصل سندیلہ یا مراد آباد ہے، ملک پاکستان ہے“۔(37)

ایک طبقہ دو قومی نظریے کے پرچار کے ذریعے یہ ثابت کرنے میں جتا ہے کہ یہ تقسیم کتنی ضروری، لازم اور جائز ہے۔ ہندوستان کو دو قومی نظریے کے تحت تقسیم کرنے والے خود کئی طبقوں، نظریوں، علاقوں اور زبانوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ناول کے اس حصے میں قرۃ العین حیدر نے صرف کراچی کو پیش کیا ہے۔ کیونکہ وہ زیادہ تر کراچی میں رہی ہیں۔ اور عام طور پر ان کے علاقے سے آنے والے مہاجرین نے بھی کراچی کو اپنا مسکن بنایا۔ جبکہ ہجرت کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد پورے پاکستان میں تقریباً ہر شہر میں پہنچی ہے۔ لیکن اس حوالے سے قرۃ العین حیدر نے ناول "آگ کا دریا" میں زیادہ بات نہیں کی۔ یہ بیان کرنا بہت ضروری بھی نہیں تھا کیونکہ ناول کی ضخامت اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ دوسرا کراچی ہی اصل میں منی پاکستان تھا اور ہے۔

ناول "آگ کا دریا" کے اختتام سے پہلے مصنفہ نے یورپ کے کلچر کو پیش کیا ہے۔ اور وہاں بھی جغرافیہ اور منظر نامہ بے شک لندن اور دیگر علاقوں کا بیان ہوا ہے۔ لیکن نمایاں کردار سارے ہندوستانی ہیں۔ اور وہ دیارِ غیر میں مشترک ثقافت ہندوستان کے ترجمان ہیں۔

قرۃ العین حیدر نے اپنے ناول ”آگ کا دریا“ میں برصغیر کے ایک بڑی آبادی والے علاقے بنگال کی ثقافت، زبان اور جغرافیائی منظر نامے کو بھی پیش کیا ہے۔ یاد رہے کہ انگریزوں کی آمد سے برصغیر کی ثقافت پر سب سے زیادہ اثرات بنگال نے قبول کیے۔ ناول کے اس حصے میں قرۃ العین حیدر نے بنگال کی ثقافت کے رنگوں میں شامل ہونے والے انگریزی ثقافت کے رنگوں کو دکھایا ہے۔ اور تاریخی پس منظر کو بھی اختصار سے اپنے بیانیے کا حصہ بنایا ہے۔ بنگال کے شہروں گوڑ، پٹنہ، بھاگل پور، چاٹگام، نواکھلی، بہار اور ڈھاکہ کا ذکر موجود ہے۔ پدماندی کے مانجھی، نوکے کھیتے دکھائی دیتے ہیں اور ان کے گیت سنائی دیتے ہیں۔ جھیلوں میں کھلے نیلے پھول، دھان کے کھیت، پان کی بیلیں، بانس کے جھنڈ، اناناس اور کیلے کے درخت اس منظر کو سجائے ہوئے ہیں۔

”چاٹگام کا علاقہ دلفریب تھا۔ بل کھاتے تند و عظیم دریا، خطرناک بن، خوشبودار پھول اور پھل، سرسبز پہاڑی راستے، بانس کے گھنے جھنڈ جس کے اندر عمیق تاریکیوں میں خانقاہیں تھیں“۔(38)

Vol.4No.2 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

دیہات میں عام لوگوں کے جھونپڑے کے سامنے چھوٹے تالاب ہیں۔ جن میں کنول کے پھول تیرتے ہیں اور سنگھاڑے ہیں اور روپہلے پروں والی بطخیں اٹھکیلیاں کرتی ہیں۔ شہروں میں پال اور سین عہد کا طرز تعمیر، گنبد اور محرابیں مساجد کی تعمیر میں دکھائی دیتا ہے۔ بنگال کی پچی کاری کے سارے رنگ ان مساجد اور عمارتوں کی آرائش میں سمٹ آئے ہیں۔

پال بادشاہوں کا بنگال سفر میں ہے۔ بدھ بنگا، سین بادشاہوں کا ہوتا ہوا علاؤالدین ابو المظفر حسین شاہ اور پھر سلطان ابراہیم سے ظہیر الدین سے غیاث الدین کو مل جاتا ہے۔ شیر شاہ نے غیاث الدین سے چھینا تو ہمایوں آن پہنچا۔۔۔۔ لیکن اب یہ سرل اور پیٹر کا ہے۔

سریلے بنگال نے ہر دور میں ہر آنے والے پر اپنا سحر طاری کیا ہے۔ ایک طرف اینگلو انڈین اور یوریشین وجود میں آئے ہیں تو دوسری طرف بغداد (عراق) کا ابو المنصور کمال الدین اب بنگال کا باشندہ بن چکا ہے۔ وہ شنیلا کو آمنہ بنا کر اسی منظر کا حصہ ہے۔ بالوں کی لٹیں، داڑھی بڑھائے چارخانہ تہہ باندھے اک تارہ بجاتا ہے اور وشنو نغمہ گاتا ہے۔ بنگالی زبان کے حوالے سے اس ناول میں قرۃ العین حیدر نے زیادہ نہیں لکھا جبکہ ان کے ناول "آخر شب کے ہم سفر" میں انہوں نے بنگالی زبان کے لہجے اور الفاظ کو زیادہ وضاحت سے اپنے بیانیے میں شامل کیا ہے۔ یہاں اس ناول میں انہوں نے بنگالی زبان کے حوالے سے بہت کم بات کی ہے بس اتنی کہ:۔

"یہ بنگالی زبان تھی اودھ اور بہار کی بولیوں سے زیادہ مختلف نہ تھی، سنسکرت سے قریب تھی"۔(39)

بنگالی زبان ہندوستان کی علاقائی زبانوں میں ادبی حوالے سے زیادہ مالدار زبان ہے۔ اس میں لوچ اور مٹھاس ہے۔ ویسے تو کئی ناول نگاروں نے بنگالی زبان اور ثقافت کو ناول کے ماجرے میں بیان کیا ہے۔ لیکن سب سے موثر انداز فضل کریم فضلی کا ہے۔ انہوں نے اپنے ناول "خونِ جگر ہونے تک" میں بنگال کی ثقافت اور زبان کو پیش کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ خاص طور پر بنگالی الفاظ، روزمرہ اور محاورہ کو اردو زبان میں سمو دینا ان کا ایک کارنامہ ہے۔

" آگ کا دریا" کا اسلوب اور ثقافتی منظر نامہ جس خوبصورتی اور شعور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، یہ قرۃ العین حیدر ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔ کسی اور کے بس کی بات نہ تھی۔

بظاہر مسلمان الگ ہو گئے، ہجرت کر گئے لیکن مسلم ثقافت، تہذیب اور تمدن کے انمٹ نقوش ابھی بھی موجود ہیں۔ یہ نقوش تمام قوموں اور مذاہب کے لوگوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔ لکھنؤ، فیض آباد، تاج محل، لال قلعہ، اجمیر، قطب مینار، غالب کی دلی، یہ سب تو ابھی بھی ہندوستان میں ہے۔ اور یہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ان کی ثقافت کو کیسے الگ کریں گے۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ ایک بھونچال نے سب کچھ اُلٹ پلٹ کے رکھ دیا ہے۔ زمینداری کے خاتمے کی وجہ سے زمینداروں پر زوال آ چکا ہے۔ ریاستیں تباہ ہو گئی ہیں۔ انقلاب، انقلاب کے نعرے لگانے والے آنے والے انقلاب کا سامنا نہیں کر پا رہے۔ ہندی رسم الخط اور الفاظ زیادہ نمایاں ہو رہے ہیں۔ جو ہجرت کر چکے ہیں وہ پچھتا رہے ہیں اور وہ جو کہیں نہیں گئے وہ تذبذب کا شکار ہیں۔

"انڈیا پاکستان کا میچ ہوا تو چند روز کے لیے گمان ہوتا تھا پنجاب تقسیم نہیں ہوا۔ اور لاہور اور امرتسر حسب سابق ایک ہی صوبے کے دو شہر ہیں۔ ہزاروں سکھ اور ہندو جوق در جوق سائیکلوں پر بیٹھ کر لاہور آئے۔ لاہور کے حلوائیوں نے ان کو مفت مٹھائی کھلائی، تانگے والوں نے ان سے کرایہ نہیں لیا"۔(40)

حوالہ جات

1۔ دیباچہ: آگ کا دریا، قرۃ العین حیدر، نئی دہلی ۲۱ دسمبر ۱۹۸۸ء، قرۃ العین حیدر خصوصی مطالعہ، مرتبین: سید عامر سہیل، شوکت نعیم قادری، بیکن بکس ملتان، لاہور ۲۰۰۳، ص ۳۰۰

2۔ آگ کا دریا، قرۃ العین حیدر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۰، ص ۷

3۔ ایضاً، ص ۳۲

4۔ ایضاً، ص ۳۵

5۔ ایضاً، ص ۷

6۔ ایضاً، ص ۱۶

7۔ ایضاً، ص ۶۴

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

8۔ ایضاً، ص۷۳

9۔ ایضاً، ص۷۲

10۔ ایضاً، ص۶۲

11۔ ایضاً، ص۷۶۔۷۷

12۔ ایضاً، ص۶۶

13۔ ایضاً، ص۶۶

14۔ ایضاً، ص۶۶

15۔ ایضاً، ص۴۴

16۔ ایضاً، ص۷۰

17۔ ایضاً، ص۱۸

18۔ ایضاً، ص۶۳

19۔ ایضاً، ص۷۶

20۔ ایضاً، ص۸۰

21۔ ایضاً، ص۹

22۔ ایضاً، ص۸

23۔ ایضاً، ص۱۲۹

24۔ ایضاً، ص۱۳۱

25۔ ایضاً، ص۱۳۱

26۔ ایضاً، ص۱۳۱

27۔ ایضاً، ص۱۶۴

28۔ ایضاً، ص۲۴۶

29۔ گزشتہ لکھنؤ، (ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ)، عبدالحلیم شرر، ترتیب نو مع حواشی، اضافات و فرہنگ، محمد اکرم چغتائی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۶، ص ۱۱

30۔ ایضاً، ص۱۹

32۔ آگ کا دریا، قرۃ العین حیدر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۰، ص ۱۴۵

33۔ ایضاً، ص۱۹۵

34۔ ایضاً، ص۴۲۱

35۔ ایضاً، ص۴۲۱

36۔ ایضاً، ص۴۲۲

37۔ ایضاً، ص۱۱۷

38۔ ایضاً، ص۱۱۸

39۔ ایضاً، ص۴۲۵

40۔ قرۃ العین حیدر خصوصی مطالعہ، مرتبین: سید عامر سہیل، شوکت نعیم قادری، بیکن بکس ملتان، لاہور ۲۰۰۳، ص ۶۹۰